علامہ اقبال اور مغربی تہذیب کی فکری بنیادیں

ظفر حسین حجازی*

انسانی گروہ جو کسی بھی خطۂ زمین پر آباد ہے، صدیوں کے تعامل سے ایک ایسا نظامِ زندگی اختیار کرلیتا ہے جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کا تشخص بن جاتا ہے۔ اس گروہ، قوم، جماعت یا جتھے کی ضروریات کی تکمیل کے لیے اس کے اہلِ فکر نے اپنے تجربے، مشاہدے، تعقل و تفکر سے جو کچھ سیکھا اور حاصل کیا اس کا عملی مظاہرہ اس قوم کی تہذیب بنتا گیا۔ رفتہ رفتہ وہ تمام خیالات، نظریات اللہ تعالیٰ، انسان اور کائنات کے متعلق ان کا نقطۂ نظر اس قوم کی تہذیب میں شامل ہوتا چلا گیا۔ گردشِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اللہ کے برگزیدہ انبیا و رسل کی تعلیمات بھی نفوذ کرتی رہیں۔ انسانی آبادی وسعت اختیار کرتی رہی، افکار و نظریات میں بھی تنوع پیدا ہوا، آبادیاں بڑھتی رہیں، آبادیوں کی تہذیب بھی مختلف شکلیں اختیار کرتی رہی۔ کسی قوم نے مذہب کو چھوڑ دیا اور کسی قوم نے کچھ حصہ باقی رکھا، وقت گزرتا رہا، ایک قوم سے دوسری قوم سیکھتی رہی ہے۔ تصادم تہذیبوں میں بھی ہوا اور قوموں میں بھی ہوا۔

مغربی تہذیب، یونانی اور رومی تہذیب کی فکری اور عملی بنیادوں پر قائم ہے۔ مغربی تہذیب کی جڑوں میں یورپ کی ان دونوں قدیم تہذیبوں کے اثرات غالب ہیں۔ یونانی تہذیب سے رومیوں نے زندگی کے ہر شعبے میں اکتسابِ فیض کیا، یعنی قوت، مملکت کے انتظامی امور، سلطنت کی وسعت اور عسکری صفات میں یونانیوں کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے رومیوں نے تفوق کا درجہ حاصل کیا، تاہم ادب تہذیب اور شائستگی میں رومی، یونانیوں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ یہاں تک کہ رومی اہلِ قلم، یونان ہی کی زبان میں تخلیق و تصنیف کرتے تھے۔ یہ دستور طویل عرصے تک جاری رہا۔ رومیوں نے اطوار و خصائل، طرزِ معاشرت، جذبات و احساسات غرض ہر شعبہ حیات میں یونانی تمدن و تہذیب کے اثرات قبول کیے۔ رومی یونان کی تقلید پر فخر کرتے تھے۔ اس طرح یونانی کلچر، رومیوں میں منتقل ہوگیا۔[1]

قسطنطین اول (۳۳۰۔۳۳۷ء) نے عیسائیت قبول کی تو عیسائیت کو شاہی سرپرستی حاصل ہوگئی تھی۔ لیکن اس عیسائیت میں بت پرستی بھی داخل ہوگئی۔ عیسائیت کی اصل تعلیمات سے انحراف کی راہیں کھل گئیں۔ یورپی

---

* مصنف و محقق، مقیم منصورہ لاہور

ممالک میں عیسائیت کے فروغ میں وہ تمام عوامل شامل تھے جو وہاں کی سیاست، معیشت، رسم و رواج، معاشرت، تعلیم و تربیت، افکار و نظریات، سوسائٹی کی زندگی میں شامل ہوتے رہے۔ رفتہ رفتہ ان آزاد خیال مفکرین کے نظریات نے پورے یورپ پر تسلط حاصل کر لیا۔ آزاد خیالی کا دور دورہ شروع ہوا جس نے پورے نظام حیات میں ان تمام ملحدانہ رویوں کو داخل کر دیا، جس کی ترقی یافتہ شکل موجودہ یورپی لادینی طرز بود و باش، نظام سلطنت، نظام معیشت اور معاشرت ہے۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی افکار و نظریات پر شدید تنقید کی۔ اس پر بعض اہل قلم نے طنزاً اقبال کی اس تنقید پر گرفت کی۔ انھیں اقبال کی یہ تنقیدِ مغرب بے جا معلوم ہوئی۔ دراصل یہ مغرب زدہ طبقہ اسلامی تہذیب و ثقافت کی شان دار روایات کا منکر تھا اور انھیں جدید مغربی تہذیب کی چکا چوند خیرہ کیے دے رہی تھی۔ خلیفہ عبدالحکیم بھی انھی اہل قلم میں سے ہیں جنھیں اقبال کی تنقیدِ مغرب پسند نہیں، وہ لکھتے ہیں:

> اقبال کے ہاں مغربی تہذیب کے متعلق زیادہ تر مخالفانہ تنقیدیں ملتی ہے اور مخالفت اس کے رگ و پے میں اس قدر رچی ہوئی ہے کہ اپنی اکثر نظموں میں جا بے جا ضرور اس پر ایک ضرب رسید کر دیتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ اثر ہوتا ہے کہ اقبال کو مغربی تہذیب میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔[۲]

اقبال نے یورپی تہذیب کے صرف ان پہلوؤں کے خلاف لکھا ہے جنھیں وہ اُمت مسلمہ یا نوعِ انسانی کے لیے مضر سمجھتے ہیں۔[۳] مغرب میں آزاد خیالی ملحدانہ نظریات اور سرمایہ داری کے رجحانات میں وہاں کی سائنسی ترقی کو بھی دخل حاصل ہے۔ سترھویں صدی کے آواخر میں بھاپ (سٹیم) کی قوت کے انکشاف سے مشینی دور کا آغاز ہوا۔ اٹھارویں صدی میں صنعتی انقلاب آیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی روزافزوں ترقی سے سرمایہ دارانہ نظام کے جلال و شکوہ میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ فضول دولت اور نفع اندوزی کی ہوس بھی بڑھتی چلی گئی۔ مادی ترقی ہی زندگی کی کامیابی اور انسان کے شرف و فضیلت کا پیمانہ بن گئی۔ مصلحت کوشی اور مفاد پرستی "نفع عاجل" کے لیے ہر اوچھے اور کمینے حربے کو جائز ٹھہرایا۔[۴]

کسی بھی قوم کی انقلابی طاقت میں نوجوانوں کی جدوجہد اور مسلسل تگ و دو ایک اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ مدبرین، مفکرین اور دانش ور حضرات قوم کو حکمت و دانائی کی تعلیم دے کر سرگرم عمل کرتے ہیں۔ یہی فکری راہ نمائی جب قوم کو بیدار کرتی ہے تو اس کے نوجوان ایک سیلاب کی صورت میں اٹھتے ہیں اور قوم و ملک کی تقدیر بدل دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے نوجوانوں سے بہت سی اُمیدیں قائم کیں اور بالآخر یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ مخالف قوتوں سے ہرگز مت ڈرو، جدوجہد جاری رکھو کیوں کہ جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔[۵]

۱۹۳۸ء میں یوم اقبال کے موقعے پر انھوں نے فرمایا تھا:"میرے لیے یہ خیال باعث طمانیت قلب ہے کہ جس زمین میں، میں نے اپنا بیج پھینکا تھا، وہ زمین شور زدہ نہیں۔"[۶]

علامہ اقبال کی امیدوں کا مرکز صرف اور صرف نوجوان ہیں۔ ایسے نوجوان جن کے ظاہر اور خفتہ و خفیہ احوال سے وہ پوری طرح واقف ہیں۔ انھوں نے علم سے تہی اور باعمل نوجوان اور نوجوانوں کے ہر دور کی بہت خوب صورت لفظی تصویریں اپنے شعروں کے حوالے سے پیش کی ہیں:[۷]

افکار جوانوں کے خفی ہوں کہ جلی ہوں — پوشیدہ نہیں مرد قلندر کی نظر سے
معلوم ہیں مجھ کو ترے احوال کہ میں بھی — مدت ہوئی گزرا تھا اسی راہ گزر سے
الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا — غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے
پیدا ہے فقط حلقہ ارباب جنوں میں — وہ عقل کہ پا جاتی ہے شعلے کو شرر سے
جس معنی پیچیدہ کی تصدیق کرے دل — قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے
یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار — جو فلسفہ لکھا نہ گیا خون جگر سے [۸]

اقبال جسمانی غلامی کی نسبت ذہنی غلامی کو زیادہ خطرناک گردانتے تھے۔[۹] علامہ اقبال نے ہمیشہ نوجوانوں کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا ہراول دستہ خیال کیا۔ اس لیے وہ ہر وقت نوجوان کی فکری تربیت کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ انھیں نوجوانوں کی طرف سے ذرا سی انحرافی روش کا علم ہوتا تو وہ فوراً اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ہمارے نوجوانوں کی باتیں کہ مذہب کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ سیاست پر دینی چاہیے یورپ کی غلامانہ تقلید کے سوا اور کچھ نہیں۔ یورپ کی مادہ پرستی اس کی روحانیت اور دوسری اقوام کی مادیت کے لیے پیام موت ثابت ہو چکی ہے۔[۱۰]

اسی سلسلے میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کی توجہ دلائی کہ وہ اپنے ماضی کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو انھیں مسلمانوں کے علمی کارناموں کی تفصیل معلوم ہو گی۔ ۱۵ اپریل ۱۹۳۳ء کو ادارہ معارف اسلامیہ کا پہلا اجلاس زیر صدارت اقبال، ہیلی ہال پنجاب یونی ورسٹی، لاہور میں منعقد ہوا۔ اقبال نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا:

> وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اب ہم فقہی جزئیات کی چھان بین کے بجائے ان اہم شعبہ ہائے علم کی طرف متوجہ ہوں جو ہنوز محتاج تحقیق ہیں۔ ریاضیات، عمرانیات، طب اور طبعیات میں مسلمانوں کے شان دار کارنامے ابھی تک دنیا کے مختلف کتب خانوں میں مستور و پنہاں ہیں، جن کے احیا کی سخت ضرورت ہے... یورپ کے علما بیسویں صدی میں جن نظریات و انکشافات کو اپنے لیے نئی چیز سمجھتے ہیں ان پر عرب علما و فضلا صدیوں سے سیر حاصل بحثیں

کر چکے ہیں۔ آئین سٹائن کا نظریہ...یورپ کے نزدیک نیا ہو تو ہو لیکن علمائے اسلام کی کتابوں میں صدیوں پہلے اس کے مبادی زیر بحث آ چکے ہیں۔ برگساں کے فلسفہ امتیازی کو سمجھنے کے لیے ابن خلدون کے افکار و خیالات کے مطالعے کی اشد ضرورت ہے۔''

انسان دشمن تہذیب:

مغربی تہذیب نے اپنے افکار و نظریات سے مغرب کے انسان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ خود غرضی، مفاد پرستی اور انانیت کے شکار مغربی انسان نے اپنے مادی مفادات کے پیش نظر اور قومیت و وطنیت کے محدود نقطۂ نظر کے باعث ایک دوسرے کا شدید مخالف بنا دیا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی دو عالم گیر جنگیں اسی خود غرضانہ سوچ کا نتیجہ تھیں، ان جنگوں میں لاکھوں انسان مار دیے گئے۔ جن سائنسی ایجادات نے بنی نوع انسان کو خوش حالی اور آسایش کا سامان فراہم کیا تھا۔ اسی سائنس کی ایجادات نے انسانیت کے وقار کو ختم کر دیا۔ انسان کی حیثیت حقیر کیڑے مکوڑے سے بھی بدتر ہو گئی۔ علامہ اقبال نے مغرب کی اسی ذہنیت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے لکھا ہے:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں — گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس — کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم — حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت — احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام — یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات[۱۲]

مغربی تہذیب کی الحادی اور سیکولر اساس نے اسے فکر و عمل کی ایسی پستی میں ڈال رکھا ہے کہ اسے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا کہ وہ کہاں جائے اور کن بہتر و اعلیٰ اقدار کو اختیار کرے۔ اس کے نزدیک اس کی مادہ پرستانہ سوچ ہی بہتر ہے، یورپ کی اس پر تیز رفتار ترقی میں کچھ لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کیا کہ اس غیر دانش مندانہ روش سے مغربی سوسائٹی اخلاق و کردار کے لحاظ سے تباہ ہو رہی ہے لیکن سیاست دانوں اور حکمرانوں نے اس خرابی میں اضافہ ہی کیا جس کی ہولناکیوں سے یورپ تباہی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔ خود اقبال نے ۱۹۱۲ء میں جس پیش گوئی کا اظہار کیا تھا وہی برس بعد وہ بہت حد تک پوری ہو گئی ہے۔

دیکھ لوگے سطوت رفتار دریا کا مآل　　　　موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی [۱۳]

سطوت رفتار دریا کا مآل ۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ء کے درمیان دنیا نے دیکھ لیا، تاہم وہ عالمی طاقتیں جن کی خود غرضیوں نے دنیا کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، ۱۹۱۸ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ایک نئی عالمی جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔ مسلمان ممالک ان استعماری طاقتوں میں ایک بے بس زخمی اور پر شکستہ پرندے کی طرح لاچاری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر آگ اور خون کے سیل کا بند ٹوٹا...۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک صرف یورپ تک ہی نہیں بلکہ دوسرے خطے، جزیرے، سمندر، صحرا اور پہاڑ بھی اس سیل کی لپیٹ میں آ گئے۔ ایک قیامت تھی جس کی بجلیاں پانچ سال تک روئے زمین کے مختلف خطوں پر کوندتی اور گرتی رہیں۔ جن سلطنتوں کا سرمایہ افتخار یہ تھا کہ ان پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ آج ان کا سراغ لگانے کے لیے سورج کی قندیل بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ [۱۴]

تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج　　　　موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ [۱۵]

مغرب کی اس شکست و ریخت، باہمی جدال و قتال اور ایک دوسرے کے انہدام کی جدوجہد کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ۱۵ جنوری ۱۹۹۰ء کو روس کا آخری سپاہی افغانستان کی سرزمین سے نکل گیا۔ وہ تمام مسلمان ریاستیں جو روسی استبداد کا شکار ہوئیں اور جو عالمی طاقتوں اور عالم اسلام کی طرف رحم طلب نظروں سے دیکھ رہی تھیں، روس کے تسلط سے آزاد ہو گئیں۔ یہ ریاستیں اقبال کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں استعماری طاقتوں سے آزاد ہو گئیں۔ اب عالم اسلام کے تمام ممالک آزاد ہیں اور بہتر مستقبل کی طرف رواں دواں ہیں۔

دیکھیے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا　　　　گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا [۱۶]

مغرب سے مسلمانوں کی سیاسی کش مکش اور حریت و آزادی کی تحریکوں نے مسلمانوں کو مغرب کے پنجۂ استبداد سے نجات دلا دی ہے لیکن یہ مسلمان ممالک اقتصادی لحاظ سے آج بھی مغربی شاطروں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ تاہم محکومی کی جو حالت پچاس برس قبل تھی اب موجود نہیں۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیندہ پچاس برس مسلمانوں کے روشن مستقبل کی نوید ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے آنے والے دور کی اک دھندلی سی تصویر دکھائی تھی:

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں　　　　میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ افکار سے　　　　لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی　　　　روح اُمم کی حیات، کش مکش انقلاب
صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم　　　　کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب [۱۷]

علامہ اقبال کے پیش نظر ملت اسلامیہ کے مستقبل کا تحفظ تھا، اس لیے وہ مسلمانوں کو پُر اُمید خیالات کے ذریعے آزادی کی خاطر جدوجہد کے لیے ابھارتے ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کو مغرب سے مرعوب ہونے کی بجائے یورپ کی غلامی سے آزاد ہونے کے لیے مقابلے پر کھڑا کر دیا۔

مغربی افکار اور مغربی تہذیب پھیلانے کے لیے استعماری طاقتوں نے محکوم قوموں پر مغربی نظام تعلیم مسلط کیا۔ مسلمانوں کے صدیوں کے قائم شدہ نظام تعلیم کو ختم کر دیا گیا۔ مقامی مسلمانوں میں سے ایسے افراد بھی انھیں مل گئے جنھوں نے مغربی فکر و تہذیب کی تنفیذ میں مغربی طاقتوں کا ساتھ دیا۔ انھوں نے یورپی تعلیم کے فروغ کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے، ان کے نام "محمڈن کالج"، "اسلامیہ کالج" اور "عریبک کالج" رکھے گئے۔[18] اس سے یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ گویا یہ تعلیمی ادارے اسلامی تعلیم کے ادارے ہیں۔ ہندستان میں کھلنے والے ان تعلیمی اداروں میں مغربی علوم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لارڈ میکالے نے مغربی علوم کے تفوق کا فخریہ انداز میں اس طرح اظہار کیا ہے:

> میں اس بات پر بھی تیار ہوں کہ مستشرقین جو اہمیت ان علوم کو دیتے ہیں، وہی میں بھی دوں۔ ان حضرات میں سے مجھے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملا جو اس حقیقت سے انکار کرے کہ یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی محض ایک الماری ہندستان اور عرب کے سارے ادبی سرمایے پر بھاری ہے۔[19]

مغرب کی مکار ذہنیت یہ نہیں چاہتی تھی کہ محکوم قوموں کو علمی ترقی حاصل ہو اور ان میں علوم و فنون میں مزید ترقی کرنے اور نئے انکشافات کرنے اور تحقیقات میں کمال حاصل کرنے کی قابلیت پیدا ہو بلکہ وہ ان محکوموں کو اپنے اقتدار کی مضبوطی و استحکام کے لیے کل پرزوں کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لارڈ میکالے لکھتا ہے:

> اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندستانی ہو، مگر ذوق، طرز فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز۔[20]

انگریزوں نے ہندستان میں قدم جماتے ہی اپنی تہذیب و ثقافت کے نفوذ کی کوششیں شروع کر دی تھیں انھوں نے پرائمری تعلیم تمام تر مشنری اداروں کی تحویل میں دے دی۔ ابتدائی دور میں بھی ان مشنری تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم میں بائبل کی تعلیم لازمی تھی۔[21] یہ تعلیم اس قدر زیادہ، موثر اور کارگر تھی کہ وزیر بنگال فریڈرک ہالیڈے نے کہا: ہندو کالج کلکتہ میں انجیل کی تعلیم اس قدر زیادہ ہے کہ انگلستان کے کسی پبلک سکول میں بھی نہیں ہے۔

مشنری تعلیمی اداروں میں مسیحیت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لارڈ میکالے نے جو تعلیمی سفارشات پیش کی تھیں ان میں بھی ہندستان کے باشندوں کو ان کے اپنے مذہب (ہندو مت اور اسلام) سے منحرف کرنا تھا۔ اس نے اپنے والد کو خط لکھا کہ: ''کوئی ہندو جسے انگریزی تعلیم دی گئی ہو، کبھی بھی خلوص دل سے اپنے مذہب پر قائم نہیں رہ سکتا۔''[۲۲]

لارڈ میکالے کا مقصد بھی یہی تھا کہ مغربی تعلیم کے ذریعے ہندستان میں ایک طبقہ ایسا بنادیا جائے جو خون، رنگ کے اعتبار سے ہندستانی ہو، مگر ذوق رائے، اخلاق اور عقل و فہم کے نقطۂ نظر سے انگریز ہو۔

۱۸۳۳ء میں انگلستان کے ذمہ داران نے سوچا کہ ہندستان میں صرف انگلستان کے مشنری اداروں ہی کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ تمام یورپ اور امریکا کو اجازت دینی چاہیے کہ وہ بھی ہندستان میں ایسے مشنری تعلیمی ادارے قائم کریں۔ اس کے بعد یورپ اور امریکا کے مشنری ادارے ہندستان میں آنے لگے۔ یورپ اور امریکا کے مشنری اداروں نے ہندستان بھر میں تھوڑے ہی عرصے میں مشنری اسکولوں کا جال پھیلا دیا۔ جرمنی نے بنگلور، بمبئی، میسور اور مدراس میں مشنری تعلیمی ادارے کھولے۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی کھولے گئے جیسے کرسچین کالج مدراس (۱۸۳۷ء)، اسٹیفن لوپ کالج ناگ پور (۱۸۵۴ء) سینٹ جونز کالج آگرہ (۱۸۵۳ء)۔

مغربی نظام تعلیم اور مغربی نصاب تعلیم لادینیت پر مبنی ہے۔ مغربی مفکرین اور مغربی تہذیب نے اپنے علوم و فنون میں سے خدا کو قطعی طور پر بے دخل کر دیا ہے۔ لادینی فلسفۂ حیات پر مبنی اس مغربی نظام تعلیم کے تمام مضامین، خدا کے تصور کے بغیر تشکیل دیئے گئے ہیں۔ ان مفکرین کے طے کردہ نصاب کی تدریس و تعلیم کے پراسیس کے ساتھ ساتھ لادینی ذہن بھی بنتا رہتا ہے۔ انگریزی زبان کے ذریعے، مغربی تہذیب و ثقافت، مغربی افکار اور مغربی لادینی نظریات طلبہ کے ذہنوں کو اسلامی تعلیمات سے دور لے جاتے ہیں۔ مغربی فکر نے دھوکا، فریب، مکاری اور بلیک میلنگ جیسے قبیح ہتھ کنڈوں سے معاشرے کو انتہائی پستی تک پہنچا دیا، ان کا نظام تعلیم بھی یہی دجل و فریب کی خصوصیت پیدا کرتا ہے۔ مغرب کا دانش ور طبقہ انھی حربوں سے مسلم ممالک پر غالب آیا۔ انھوں نے مسلمان ممالک میں ایسے ایسے ایجنٹ پیدا کر لیے جن کی بدولت ان کی قیصریت قائم رہی۔

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام　　جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب　　تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلس آئین و اصلاح و رعایات و حقوق　　طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری
گرمی گفتار، اعضائے مجالس الاماں　　یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری[۲۳]

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب و فکر کی اس انسانیت کش روش اور مغربی دانش وروں کی طرف سے اعلیٰ اخلاق قدروں کے خلاف سازشوں کو طرح طرح سے نمایاں کیا ہے۔ مغربی تہذیب کے علم برداروں کے ترقی پسندانہ نعروں میں پوشیدہ مکر و فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:

ابھی تک آدمی صید زبوں شہریاری ہے قیامت ہے کہ انسان نوع انسان کا شکاری ہے
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خردمندان مغرب کو ہوس کے پنجۂ خونیں میں تیغ کارزاری ہے
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے [۲۴]

جس انسان کی بے بسی کا نوحہ اقبال نے اشعار میں پڑھا ہے اس انسان کے مختلف نمونے تہذیب مغرب میں نظر آئے ہیں ان آزاد خیال مفکرین نے یورپ کی معاشرت کو طرح طرح کے عیوب میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہی مفکرین شیطان کی طرح تخریب کاری پر آمادہ ہیں۔ جامعہ دہلی میں اقبال نے غازی رؤف پاشا کے لیکچر کے بعد ایک لطیفہ سناتے ہوئے کہا تھا کہ "ایک روز شیطان کو اس حال میں دیکھا کہ بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا ہے۔ اس نے شیطان کو جو اس حال میں دیکھا تو بڑا متعجب ہوا۔ کہنے لگا حضرت یہ کیا بات ہے؟ آپ اس اطمینان سے بیٹھے سگار پی رہے ہیں، اب دنیا میں فتنہ و فساد کون پھیلائے گا۔ اس نے کہا فکر نہ کیجیے میں نے یہ خدمت برطانوی کابینہ کے سپرد کر رکھی ہے۔ [۲۵]

یہ انسانی تاریخ کا المیہ ہے کہ مغربی تہذیب کے باعث انسانوں میں اعلیٰ علمی ذوق نہیں رہا۔ صرف مادی لذتوں کے حصول کے لیے یہ ساری کوشش ہو رہی ہے۔ مغربی تہذیب واقتدار کے اس دور میں درحقیقت نہ علم کا حقیقی ذوق ہے نہ دین کا نہ کوئی اور ذوق لطیف کام کر رہا ہے۔ مسٹر حوڈ کا قول صرف یورپ ہی کے متعلق صحیح نہیں ہے بلکہ ساری مغرب زدہ دنیا کے متعلق صحیح ہے "جو نظریۂ حیات اس زمانے پر مسلط اور غالب ہے وہ اقتصادی نظریہ اور ہر مسئلے اور معاملے کو پیٹ یا جیب سے دیکھنا اور جانچنا ہے۔ [۲۶]

مغربی دانش ور اور اہل تحقیق جو کچھ علمی مشاغل رکھتے ہیں، ان میں بھی ان کے خاص مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ ایک جرمن مستشرق این میری شمل لکھتی ہیں کہ مستشرقین کے سلسلے میں اقبال کا رویہ ایک جداگانہ مطالعے کا متقاضی ہے۔ پروفیسر ہومل جو تھوڑے عرصے تک اقبال کے استاد رہے انھیں ایران میں مابعد الطبیعیات کے ارتقا سے واجبی سی دل چسپی تھی۔ [۲۷] خود اقبال نے متعدد مقامات پر مستشرقین کے متعلق تلخ لہجے میں لکھا ہے، ایک خط میں لکھتے ہیں:

جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونی ورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گم راہ ہو جاتا ہے۔[۲۸]

ملت اسلامیہ میں مغربی تہذیب اور مغربی افکار اس حد تک پھیل چکے تھے کہ علی گڑھ یونی ورسٹی میں خدا دشمن مجلس (اینٹی گاڈ) سوسائٹی قائم کر دی گئی۔ یہ اس مغربی افکار کا زہر تھا جس نے نسل نو کو اس حد تک پراگندہ کر دیا کہ وہ دین و مذہب کی پابندیاں توڑ کر نہ صرف آزاد ہو چکے تھے بلکہ انھیں یہ بھی جرأت ہو گئی کہ وہ خدا کے خلاف سوسائٹی بنا کر بیٹھ جائیں۔ علامہ اقبال کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ ساری رات سو نہیں سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کمیٹی توڑ دی گئی اور ان طلبہ کو علی گڑھ یونی ورسٹی سے خارج کر دیا گیا۔[۲۹] علی گڑھ کے طلبہ پر مغربیت چھا رہی تھی۔ علامہ اقبال نے عبد الماجد دریابادی سے کہا کہ وہ علی گڑھ یونی ورسٹی جایا کریں تاکہ طلبہ کے ذہن ان اسلام مخالف قوتوں کی منفی سرگرمیوں کے مضر اثرات سے محفوظ رہیں۔[۳۰]

مغربی لادینی اثرات سے بچانے کے لیے انھوں نے نوجوان نسل کو بڑی دردمندی سے خطاب کیا۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ میں طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "گزشتہ چند سال سے میں صرف اپنے جسد خاکی کا مالک ہوں، میری روح ہمیشہ آپ کی خدمات کے لیے حاضر رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔"[۳۱] علامہ اقبال نے جہاں مسلمانوں کو جدید عصری تقاضوں کے لیے بیدار کیا، وہاں انھیں خصوصیت کے ساتھ قرآنی شعور سے بہرہ مند ہونے کی تعلیم دی۔ اقبال نے اپنی تمام فکری اور فنی صلاحیتیں مسلمانوں میں ملی شعور اور دینی تشخص کے احیا اور استحکام پر صرف کر دیں۔[۳۲]

علامہ اقبال معاصر علما کے برعکس مسلمانوں کے لیے کسی دوسرے نظریۂ حیات کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر ہرگز تیار نہ تھے۔ "اقبال ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا اور ہیئت اجتماعی کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں بلکہ اس امر کا اطلاق کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو وہ نامعقول و مردود ہے"۔[۳۳]

مغربی تہذیب و ثقافت کی بنیاد انکار خدا پر ہے۔ مغربی مفکرین نے ہر قسم کی پابندی سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مذہب سے بھی چھٹکارا حاصل کیا اور آزادیِ افکار کا حق بھی حاصل کیا۔ آزادیِ افکار کو ایسی پذیرائی ہوئی کہ آزاد خیال یورپی اقوام کی فکر و نظر میں رچ بس گئی۔ اس کے اظہار کی ایک شکل یہ تھی جو نیطشے کی زبان سے ادا ہوئی کہ نعوذ باللہ، خدا مر چکا ہے۔[۳۴]

انگلستان کے قیام کے دوران اقبال نے مغربی تہذیب کے مختلف مظاہر کا مشاہدہ کیا۔ انھیں احساس ہوا کہ یہ تہذیب جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔ وہ اس تہذیب کی چکاچوند سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئے۔ انھیں علم کی پیاس ہی انگلستان لے گئی۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے		شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو[۳۵]

انگلستان میں علامہ اقبال نے مغربی مفکرین کے افکار و نظریات سے جو خوشہ چینی کی، اس کی طرف اقبال اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خرد افروز مرا درسِ حکیماں فرنگ		سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں[۳۶]

اقبال کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات اور اس کے اسرار و رموز سے واقفیت حاصل کر لینے کے ساتھ ساتھ مغربی افکار کی بوقلمونیوں سے آشنا ہو سکیں۔ وہ فلسفہ مغرب کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ مغربی اہل دانش باہمی اختلافات میں بھی کسی سے کم نہیں۔ اقبال صرف غور و فکر اور تدبر و تفہم ہی کے قائل نہ تھے بلکہ وہ عمل کو محض علم سے فائق خیال کرتے تھے۔[۳۷]

قیام انگلستان کے دوران میں اقبال میں فکر و نظر کے لحاظ سے کئی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ قیام انگلستان ان کے روحانی ارتقا کی اہم ترین منزل ہے۔ اس عرصے میں اقبال کو تہذیب مغرب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا، اس کے ساتھ ہی اقبال نے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے سلسلے میں اسلامی فلسفہ اور اسلامی علوم کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ اور اسے تہذیب اسلامی اور تہذیب مغرب کا موازنہ کرنے کا موقع ملا۔ اس موازنے کا اثر یہ تھا کہ اقبال کی زندگی کا عظیم الشان نصب العین یعنی اسلام کے اصولوں کی علم برداری کا فرض اس کے سامنے معین ہو گیا اور اس کے تخیل اور جذبات نے اپنے لیے ایک راہ عمل مقرر کر لی۔[۳۸]

علامہ اقبال نے پہلی جنگ عظیم کو ایک نئے دور کا آغاز قرار دیا تھا اور کہا تھا کہ فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم بنا رہی ہے۔ اس احساس نے انھیں مضطرب کیے رکھا۔ وہ مسلمانوں کو اس تبدیل ہوتی دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ابھارتے رہے۔ سید سلیمان ندوی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> ...دنیا اس وقت عجیب کش مکش میں ہے۔ جمہوریت متاثر ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزع میں ہے۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک مد ہو سکتا ہے۔[۳۹]

مغرب کے سیاست دانوں اور حکمرانوں نے بیسویں صدی میں دو عالمی جنگوں سے نظام عالم کو درہم برہم کر دیا۔ علامہ اقبال کے خیال میں مغربی حکمرانوں کو ان کی ملک گیری اور محدود قومیت و وطنیت کے نظریات نے انتہائی تنگ نظر بنا دیا ہے۔ علامہ اقبال نے قیام یورپ ہی میں انھیں انتباہ کرتے ہوئے کہہ دیا تھا:

دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے　　کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی　　جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا[۴۰]

علامہ اقبال کی نشو و نما ایسے دور میں ہوئی جب فرنگی استعماری طاقت کا سورج کہیں غروب نہیں ہوتا تھا۔ عالم اسلام میں ترکی کے سوا کوئی مسلمان ملک اس قابل نہ تھا جو مغربی استعماری طاقتوں کے تسلط سے آزادی کا دعویٰ کر سکے۔ ہر طرف مغربیت کا دور دورہ تھا۔ مسلمان مغربی طاقتوں کے غلام تھے۔ یہ غلامی صرف سیاسی غلامی نہیں تھی، تہذیب و ثقافت، معیشت و معاشرت اور تعلیم و ہنر میں مسلمانوں پر مغرب کا اس قدر غلبہ تھا کہ مسلمان مغربی افکار سے باہر نکل کر کچھ اور سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ بظاہر جن قائدین نے اصلاح احوال کی کوشش کی وہ بھی مغربی تہذیب و ثقافت کی نقالی کی تعلیم دے رہے تھے۔ علامہ اقبال نے تہذیب مغرب کے نہ صرف مظاہر کا مشاہدہ کیا تھا بلکہ اس تہذیب کے فکری عناصر کا بھی گہری نظر سے تجزیہ کرتے ہوئے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ تہذیب اب اپنے آخری دموں پر ہے۔

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے　　فرنگ رہگزرِ سیلِ بے پناہ میں ہے[۴۱]

مغربی فکر اور تہذیب انسانی اخلاق اور مذہبی ترقی میں رکاوٹ ہے۔ اس تہذیب نے انسانی قدروں کو پامال کیا۔ اخلاق و مذہب سے بیزاری کا سبق دیا۔ اس تہذیبی فکر نے انسان کی فکر و نظر میں فساد پیدا کر دیا ہے۔ انسانی فطرت کی وہ پاکیزگی باقی نہ رہی جو اس کے شرف کا باعث تھی۔ مغربی تہذیب نے انسانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ اس کی بنیاد میں ایسی خرابی ہے کہ اس کا حامل معاشرہ خود غرضی و نفسا نفسی کا شکار ہو جاتا ہے۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب　　کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف[۴۲]

علامہ اقبال کے نزدیک اسی فساد قلب و نظر کے باعث یورپ کا ضمیر پاک صاف نہیں ہے، اس کے خیالات بلند نہیں ہیں اور وہ ذوق لطیف سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ یہ تہذیب خود لب گور ہے، دوسروں کو حیات بخش تعلیم کیسے دے سکتی ہے۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید　　ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف[۴۳]

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کی چمک دمک اور اس کے سیاسی کمالات کے کھوکھلے پن پر دنیا کو توجہ دلائی۔ انھوں نے دنیا کو خبر دار کیا کہ مغرب اگرچہ تحقیقات و ایجادات سے اس دنیا کو حیران کن ترقی کی نوید دے رہا ہے لیکن چوں کہ اس کی اخلاقی اور روحانی بنیاد موجود نہیں، اس لیے اس کا زیادہ دیر قیام ممکن نہیں اور جو ایجادات اور دریافتیں دنیا کی نظروں کو چکاچوند کر رہی ہیں، یہی سائنسی ایجادات اس کی ہلاکت کا سامان بن جائیں گی۔ چناں چہ انھوں نے لکھا ہے کہ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے اور اب تہذیب و تمدن کی خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لیے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے۔"[۴۴]

مغرب کی لادینی فکر و تہذیب نے نہ صرف یورپ کو بلکہ پوری دنیا کو اخلاقی اور روحانی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ یورپ نے جن علوم میں ترقی کی ہے۔ یہ بھی اسے سکون و اطمینان قلب نہیں دے سکتے۔ آج سائنس کی بے پناہ ترقیوں کے باوجود انسان اخلاقی اور روحانی طور پر اس طمانیت سے محروم ہے جو بنی نوع انسان کے لیے ناگزیر ہے اور اسی طمانیت قلب کے لیے انسان مدت العمر جدوجہد کرتا ہے۔ آج کا انسان خیر کو صرف مادی ترقی پر منحصر سمجھتا ہے جب کہ اصل ترقی کے حصول کے لیے بنی نوع انسان کو اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کر کے اس کے نبیوں کی بتائی ہوئی راہ حق پر چلنا اور اللہ کی کتابوں کے مطابق اس صراط مستقیم کو اختیار کرنا ہے جو انبیا و رسل نے اختیار کی۔ انھی تعلیمات کو فراموش کر کے انسان نے مادی ترقی کو مقصود ٹھہرا کر جو سفر شروع کیا اس کے نتیجے میں اسے دین و اخلاق کو چھوڑ دینا پڑا:

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا[۴۵]

علامہ اقبال نے مغربی فلسفیوں کے افکار و نظریات کو ایک مسلمان کی حیثیت سے پرکھا۔ اقبال کو اسلام اور قرآن مجید کی نعمت حاصل تھی۔ اسی قرآنی بصیرت سے کام لے کر انھوں نے مغربی فلسفیوں کے افکار کا تنقیدی مطالعہ کیا۔ آج مغربی تہذیب انھی مغربی فلسفیوں کے افکار پر قائم ہے۔ یونانی اور رومی تہذیبوں کے اثرات مغربی تہذیب کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ اس پر یورپین فلاسفر آزاد خیالی اور لادینی بنیادوں پر استوار فکر کی توسیع کرتے رہے۔ یہ خدا بیزار اور لادینی فکر مغربی تہذیب کی جڑوں میں اثر انداز ہوتی رہی۔ اسی مادر پدر آزاد خیالی نے مغربی معاشرت، سیاست، معیشت اور زندگی کے ہر شعبے کا احاطہ کر لیا۔ علامہ اقبال نے یورپین فلاسفر کی فکری

گمراہیوں کو ایک ایک کر کے مسترد کر دیا۔ عالمی سطح پر اس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ کسی نے دنیا بھر کے مفکرین کی فکری اغلاط کی نشان دہی کی ہو اور انھیں دلائل و براہین سے مسترد کیا ہو۔ علامہ اقبال اس لحاظ سے دنیا کے سب سے بڑے شاعر اور فلاسفر ہیں جو شاعری کے فن کے لحاظ سے اور فلسفیانہ راست روی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتے۔[۴۶]

مغربی مفکرین میں جن فلسفیوں پر اقبال نے تنقید کی، اس کا بھرپور اظہار پیام مشرق میں ہوا ہے۔ پیام مشرق میں علامہ اقبال نے مشرق و مغرب کے عظیم رجال کا ذکر کیا ہے، ان کی فکر پر اظہار خیال کیا ہے اور ان تمام مفکرین کے نظریات کے حسن و قبح پر اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ جن مغربی مفکرین پر اقبال نے تنقید کی ہے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: آئن سٹائن، آگسٹن کولٹ، برگساں، پٹونی، ٹالسٹائی، شوپن ہار، جان لاک، کارل مارکس، کانٹ، گوئٹے، نیطشے، لینن، ہیگل، بعض شعرا کے نقطۂ نظر پر بھی اقبال نے اظہار خیال کیا ہے۔ ان شعرا میں بائرن، براؤننگ اور ہائنا شامل ہیں۔ علامہ اقبال نے جرمن شعراء و ادب پر فارسی شعرا کے اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جرمن شعرا اور ادیبوں پر فارسی شعرا نے بہت زیادہ اثر ڈالا۔ گوئٹے نے جرمن ادب میں مشرقی تحریک کو پروان چڑھایا ہے۔[۴۷] مغربی افکار مغربی نظریات اور تہذیب مغرب پر اقبال نے ۱۹۳۸ء میں سال کے پہلے دن اپنے تحریری پیغام میں یہ فرمایا تھا:

> آج زمان و مکاں کی پہنایاں سمٹ رہی ہیں اور انسان نے فطرت کے اسرار کی نقاب کشائی اور تسخیر میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے، لیکن اس تمام ترقی کے باوجود اس زمانے میں ملوکیت کے جبر و استبداد نے جمہوریت، قومیت، اشتراکیت، فسطائیت اور نہ جانے کیا کیا نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ ان نقابوں کی آڑ میں دنیا بھر میں قدر حریت اور شرف انسانیت کی ایسی مٹی پلید ہو رہی ہے کہ تاریخ عالم کا کوئی تاریک سے تاریک دور بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ جن نام نہاد بڑوں کو انسانوں کی قیادت اور حکومت سپرد کی گئی ہے وہ خوں ریزی، سفاکی اور زبردست آزادی کے دیوتا ثابت ہوئے۔ جن حاکموں کا یہ فرض تھا کہ اخلاق انسانی کے نوامیس عالیہ کی حفاظت کریں۔ انسان پر ظلم کرنے سے روکیں اور انسانیت کی ذہنی اور عملی سطح کو بلند کریں۔ انھوں نے ملوکیت اور استعمار کے جوش میں لاکھوں کروڑوں مظلوم بندگان خدا کو ہلاک و پامال کر ڈالا... انسان کی بقا کا راز انسانیت کے احترام میں ہے۔ جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترام انسانیت کے درس پر مرکوز نہ کر دیں، یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی۔ کیا ہم نے نہیں دیکھا کہ ہسپانیہ کے باشندے سے ایک نسل، ایک زبان، ایک مذہب اور ایک قوم رکھنے کے باوجود محض اقتصادی مسائل کے اختلاف پر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنے تمدن کا نام و نشان مٹا رہے ہیں۔ اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ قومی وحدت بھی ہرگز قائم

ودائم نہیں۔ وحدت صرف ایک ہی معتبر ہے اور وہ بنی نوع انسان کی وحدت ہے جو رنگ، نسل، زبان سے بالاتر ہے۔

> جب تک اس نام نہاد جمہوریت اس ناپاک قوم پرستی اور اس ذلیل ملوکیت کی لعنتوں کو مٹایا نہ جائے گا، جب تک انسان اپنے عمل کے اعتبار سے الخلق عیال اللہ کے اصول کا قائل نہ ہو جائے گا۔ جب تک جغرافیائی وطن پرستی اور رنگ و نسل کے امتیازات کو نہ مٹایا جائے گا۔ اس وقت تک انسان اس دنیا میں فلاح وسعادت کی زندگی بسر نہ کر سکے گا۔ اور اخوت، حریت اور مساوات کے شاندار الفاظ شرمندۂ معنی نہ ہوں گے۔[۴۸]

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے قیام پاکستان سے قبل تقریر کرتے ہوئے اپنی مومنانہ بصیرت اور مطالعۂ قرآن کی روشنی میں فرمایا تھا:

> ایک وقت آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لیے پریشان ہو گا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لیے لرزہ براندام ہو گی۔ مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونی ورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہو گا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پاسکے گی اور یہ آج کا دور صرف تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا۔[۴۹]

عالم اسلام میں اقبال پہلی شخصیت ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی کہ وہ مغرب کا تنقیدی نظر سے مطالعہ کریں۔ اپنے اسی مطالعے، مشاہدے اور تجزیے کے نتیجے میں اقبال نے مسلمانوں کو آزادی اور حریت کی تعلیم دی۔ ایک الگ مملکت کا تصور پیش کر کے پاکستان کی بنیاد رکھی۔ بعض اہل قلم نے یہ اعزاز کسی اور کو دینا چاہا اور اقبال کی حق تلفی کی کوشش کی۔ اس کی مثال قائداعظم کے دست راست ایم اے ایچ اصفہانی کی تحریر سے ملتی۔ انھوں نے لکھا ہے:

> اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر اقبال کا فکر شاعری اور خطبات بھی اسی سمت میں اشارہ کرتے ہیں (یعنی مسلم ریاست کے قیام کی ضرورت کی طرف) لیکن یہ کہنا کہ وہ مسلم ریاست کے تصور کے خالق تھے، تاریخ کو مسخ کرنا ہے۔[۵۰]

علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے حوالے سے صحیح الفکر اہل قلم نے مسلمانوں کے لیے ایک آزاد مقتدر مملکت کے قیام کو اقبال کا شاہ کار منصوبہ قرار دیا ہے۔[۵۱] علامہ اقبال نے قومیت کے مغربی تصور کو مسترد کرتے ہوئے اسلامی قومیت کا تصور اجاگر کیا۔ عالم اسلام کے دانش ور مغربی تصور قومیت کے تحت وطنی قومیت کے سحر میں گرفتار تھے، انھیں بار بار توجہ دلاتے رہے کہ:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

دامنِ دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں　　　اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی [۵۲]

مغرب نے اپنی خود غرضیوں کی تکمیل کے لیے قومیت کا محدود دائرہ اختیار کیا۔ اقبال نے قومیت کا محدود دائرہ توڑ کر ان اعلیٰ و ارفع اقدارِ حیات کی ترجمانی کی ہے جو اسلام کا ہمہ گیر منشور ہے اور جو متضاد اور ایک دوسرے سے کٹے ہوئے نظریات کے مابین ایک سلجھی ہوئی معتدل راہِ حق ہے۔ یہ راہ اسلام ہی دکھاتا ہے اور اس کی روح اقبال جیسے شارحینِ اسلام کے پیغام ہی میں نظر آتی ہے۔[۵۳]

علامہ اقبال نے اپنے اسلامی تصورِ قومیت کی بنیاد پر تصورِ پاکستان پیش کیا۔ انھیں اس کا احساس تھا کہ مسلمان دینی تعلیمات اور شعائرِ اسلام کا عملی تحفظ ایک الگ مملکت ہی میں رہ کر سکتے ہیں۔ اگر متحدہ ہندستان میں ہندو اور مسلمان مل کر آزادی حاصل کر بھی لیں تو ہندو اپنی اکثریت کی بنا پر مسلمانوں کے حقوق تلف کریں گے۔[۵۴] اس وقت آئینی تحفظات کسی کام نہ آئیں گے۔ مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ مملکت کی خاطر ہی علامہ اقبال نے قائداعظم کو خطوط کے ذریعے قائل کیا اور یہ بات طے ہوگئی کہ مسلمانوں کی جدوجہد کا ہدف ایک ایسی مملکت کا حصول ہے جہاں مسلمان اپنے دین کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی بسر کر سکیں۔ ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے ایک انٹرویو میں یہ تسلیم کیا کہ وہ کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران نیشلسٹ خیالات کے حامل تھے:

> There is no doubt that my ideas about Nationalism have undergone a definite change. In my college days I was zealous Nationalist which I am not now. The change is due to a mature thinking.[۵۵]

۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو اسلام اور قومیت پر مولانا مدنی کے بیان کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھے یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔[۵۶]

سرسید کے دور کے اکثر اہلِ قلم لاعلمی اور بے خبری کے باعث حب الوطنی کے نعروں میں مغربی تصورِ وطنیت کے راگ الاپ رہے تھے۔ ۱۸۸۵ء میں کانگریس قائم ہوئی تو ہندو اکثریت اپنے مفادات کے لیے کانگریس کی حامی تھی۔

تیسری گول میز کانفرنس کے بعد اسپین کے سفر سے واپسی پر یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اقبال کے اعزاز میں ایک شان دار دعوت چائے دی گئی۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

میں نے اپنی زندگی کے گزشتہ پینتیس (۳۵) سال اسلام اور موجودہ تہذیب و تمدن کی تطبیق کی تدابیر کے غور و فکر میں بسر کر دیے ہیں اور اس عرصے میں یہی میری زندگی کا مقصد وحید رہا ہے۔ میرے حال کے سفر نے مجھے کسی حد تک اس نتیجے پر پہنچا دیا ہے کہ ایسے مسئلے کو اس شکل میں پیش نہیں کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ اسلام موجودہ تمدن کے مقابلے میں ایک کمزور طاقت ہے۔ میری رائے میں اس کو یوں پیش کرنا چاہیے کہ موجودہ تمدن کو کسی طرح اسلام کے قریب تر لایا جائے۔[۵۷]

علامہ اقبال کی زندگی کا آخری معرکہ بھی اسی وطنی قومیت کی بحث کے سلسلے میں ہوا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ یعنی وطن کی بنیاد پر قومیں تشکیل پاتی ہیں۔ علامہ اقبال نے کہا کہ یہ نظریہ مغربی سیاسی نظریات کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجایش نہیں۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ انھوں نے یہ بات ایک خبر کے طور پر کہی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی کی یہ بات چیت علامہ اقبال تک پہنچی تو انھوں نے کہا کہ اب ان سے کوئی اختلاف نہیں لیکن علامہ اقبال کی وفات کے بعد مولانا نے متحدہ قومیت اور اسلام شائع کر کے اسی وطنی قومیت کے نظریے کی وکالت شروع کر دی۔[۵۸] اقبال نے لکھا تھا:

یہ قومیت کا جدید فرنگی نظریہ ہے۔ جب یورپ کی اقوام علاحدہ علاحدہ ہو گئیں تو ان کو اس بات کی فکر ہوئی کہ قومی زندگی کی اساس کیا قرار پائے۔ ظاہر ہے کہ مسیحیت ایسی اساس نہ بن سکتی تھی (کیوں کہ مسیحیت نے یہ تعلیم دی ہے کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے) انھوں نے یہ اساس "وطن" کے تصور میں تلاش کی۔[۵۹]

علامہ اقبال مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا مطالبہ کر رہے تھے ان کے خیال میں مسلمان قوم باقی تمام اقوام کے مقابلے میں جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ ۱۹۰۹ء میں انھوں نے ایک خط میں لکھا: ہندستان میں ایک مشترک قومیت پیدا کرنے کا خیال... موجودہ حالت اور قوموں کی نادانستہ رفتار کے لحاظ سے ناقابل عمل ہے۔[۶۰]

علامہ اقبال نے یورپ سے واپسی پر مسلمانوں کے لیے ایک جداگانہ قوم کا تشخص قائم کیا۔ اسی بنا پر ایک علاحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۱۱ء میں علامہ اقبال نے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے لیے علاحدہ وطن کا مطالبہ واضح الفاظ میں کیا۔[۶۱] علامہ اقبال کا ایک مضمون مسلم سویلائزیشن Censor Report of India بابت ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا جس میں انھوں نے واضح طور پر لکھا: "مسلمان اپنے مذہب، تہذیب اور عزت و آبرو کو صرف اسلامی حکومت کے زیر سایہ ہی محفوظ رکھ سکتے ہیں۔"[۶۲] اس سنسر پورٹ میں علامہ اقبال کے متعلق:...... "ایک تعلیم یافتہ جدید مسلمان فلسفہ دان کے خیالات مسلم قومیت کے بارے میں پیش کیے جاتے ہیں۔" علامہ اقبال نے اس مضمون

میں لکھا کہ اسلام محض ایک مذہبی نظریے کا نام نہیں، اسلام ہمارے لیے ایک وسیع مطلب کا حامل ہے۔ ہماری نظر میں اسلام کا حتمی مقصد ایک ملک ہے جس میں ہم اسلامی شعائر کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔''[۶۳]

حضور اکرم ﷺ نے اپنے وطن (مکہ مکرمہ) سے ہجرت کی تو دنیا کو یہ سبق دیا کہ ارضی وابستگی اعلائے کلمۃ الحق کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ صرف زمینی تعلق ہی نہیں بلکہ کوئی شخص اگر ہر قسم کی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ بھی ایسا تعلق رکھے، جو توحید کے تقاضوں سے متعارض ہو، دین اسلام میں بت پرستی اور شرک ہے۔ اقبال نے اپنی ڈائری میں لکھا کہ:

> اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے... اسلام کسی صورت میں بت پرستی کو گوارا نہیں کر سکتا۔ بت پرستی کی تمام اقسام کے خلاف احتجاج کرنا ہمارا ابدی نصب العین ہے۔ اسلام جس چیز کو مٹانے کے لے آیا تھا، اسے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی اصول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا اپنی جائے پیدائش مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے میں قیام اور وصال غالباً اسی حقیقت کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔''[۶۴]

یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے　　　غارت گر کاشانۂ دین نبوی ہے[۶۵]

مغربی تہذیب کے ناخداؤں نے وطن پرستی کو بھی ایک خدا بنالیا ہے۔ اقبال نے اس کی مذمت کرتے ہوئے لکھا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن　　　جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے　　　اے مصطفوی خاک میں اس بت کو
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے　　　ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے[۶۶]

مغربی تہذیب کے نام لیوا، اس کے علم بردار، اس کے محاسن کی تعریف و توصیف بیان کرنے میں رطب اللسان نقاد اقبال کے مشاہدات کی گہرائی کو کہاں پہنچ سکتے ہیں۔ اقبال نے دینی، اسلامی اور انسانی نقطۂ نظر سے مغربی فکر کے عمق میں جا کر اس کی حقیقت معلوم کی جو اس کے سوا کچھ نہیں کہ مغرب اپنی سرشت کے لحاظ سے تاریکی میں ڈوب چکا ہے۔ اقبال اپنے ذاتی تجربوں کے حوالے سے ایک نئے پیرائے میں مغرب کی بے مائگی کو بیان کرتے ہیں:

مے ازمے خانہ مغرب چشیدم　　　بجان من کہ درد سر خریدم
نشستم بانکو یان فرنگی　　　ازاں بے سوز تر روزے نہ دیدم[۶۷]

مسلمان ممالک یکے بعد دیگرے تہذیب مغرب میں ڈوبتے چلے گئے۔ مغربی تہذیب مسلمانوں کی زندگی کے کسی ایک گوشے پر اثر انداز نہیں ہوئی بلکہ اس نے ہماری ساری طرز زندگی میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کر دیں۔ مثلاً ہمارا نظام زندگی بدل گیا یعنی نصاب تعلیم میں وہ جز بہت کم رہ گیا ہے جو انسان کو شرف انسانیت سے نواز سکتا ہے یا جس سے خدا اور رسول ﷺ کی باتوں کے ذریعے دلوں کو پاکیزگی حاصل ہو سکتی ہے۔ کردار واخلاق سے اسلامی رنگ زائل ہو گیا ہے۔ آداب معاشرت میں یکسر مغربیت آگئی ہے اور سیاست کا مسلک بھی سراسر فرنگیانہ ہو گیا ہے۔[۶۸]

علامہ اقبال نے مغربی نظریات پر تنقید کرتے ہوئے مغرب کے سیاسی نظریہ قومیت پر شدید تنقید کی۔ وطنی قومیت کے اس نظریے نے یورپ کو ٹکڑے ٹکڑے کرر کھا ہے جب کہ مسلمان قوم کا بنیادی اصول وحدت زبان کا اشتراک، وطن اور معاش کا اشتراک نہیں ہے۔ اسلام کو تمام مادی حد بندیوں سے نفرت ہے۔ مسلمان کائنات کے بارے میں ایک خاص مطمح نظر رکھتے ہیں اور ان تاریخی روایات سے انسلاک رکھتے ہیں جن کی بنا پر ہم اس معاشرے کے ارکان بنتے ہیں جس کی بنا پیغمبر اسلام ﷺ نے رکھی تھی۔[۶۹]

مغرب پر اقبال کی تنقید میں ایک طرح کی دردمندی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے مغرب پر تنقید اور طنز کرنے سے کہیں زیادہ روحانی کرب اور اضطراب باطنی کا اظہار کیا ہے۔ اس لیے مشرق میں جو کچھ ہو رہا تھا، مغرب ہی کے زیر اثر تھا۔ اقبال نے مغرب کے نظام تعلیم پر بھی بڑی سخت تنقیدیں کی ہیں اور چوں کہ مشرق کی خرابی کا ذمہ دار بھی مغرب ہے اس لیے انھوں نے مغرب پر لعن طعن کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔[۷۰] اقبال نے اپنے تمام نظریات میں خودی کے نظریے پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے بعد اقبال نے سب سے زیادہ جوش انگیز اشعار مغربی تمدن کے خلاف لکھے ہیں۔ بعض اشعار میں توازن کا جوش ایک فریاد بن گیا ہے اور یہ فریاد اس لیے ہے کہ اقبال کی نظر میں اس سے بڑا فتنہ اور بڑا آشوب نوع انسانی کی پوری تاریخ میں کبھی نہیں اٹھا۔[۷۱] اقبال نے کہا:

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن　　　　پُرکار و سخن ساز ہے نم ناک نہیں ہے[۷۲]

پیرِ مے خانہ یہ کہتا ہے کہ ایوان فرنگ　　　　سست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے[۷۳]

مغرب کے بے شمار سیاسی اور معاشی اور استعماری مقاصد جو مغرب کے سیاسی غلبے کے باعث مسلمان ملکوں میں نفوذ کر رہے تھے اور جنھیں مغرب کے کمالات سمجھ کر بعض مسلم حکمران اپنے اپنے ملکوں میں رائج کر رہے تھے، اقبال کی تنقید کا نشانہ بنے۔ مغرب کی نقالی سے مسلمان معاشرے مغربی تہذیبی نقائص تو لے رہے تھے' لیکن مغربی ترقی کے اصل محرکات مسلمانوں کی نظروں سے مخفی تھے۔ اقبال نے مغربی تہذیب و فکر پر جو زوردار

اور مسلسل تنقید کی،اس کے پس منظر میں یہ حقیقت بھی تھی کہ اقبال نے مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اس کی فکری زبوں حالی کا تجزیہ کیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مغرب پر تنقید سے مسلمان ممالک کے حکمرانوں اور اہل دانش کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ تقلید مغرب سے پرہیز کریں گے۔ اقبال نے تجزیہ پیش کیا کہ جس تہذیب و تمدن کی روح بنی نوع انسان کے لیے پاکیزہ نہ ہو، اس کے دل و دماغ میں فساد ہی فساد ہو گا۔ اقبال نے اپنے اس دعوے کی تصدیق کے لیے فرمایا کہ مغربی تہذیب کے اثرات نے، جہاں کہیں انھیں پنپنے کا موقع ملا، وہاں فساد ہی برپا ہوا۔

بُرا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے		فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری[۷۴]

مغربی تہذیب نے انسانیت کے راستے میں جو کانٹے بوئے ہیں،فساد کی جو شکلیں پیدا کی ہیں، بے یقینی، خوف، انتشار اور انسانی توہین کی جن صورتوں کو جنم دیا ہے،اقبال نے سب پر تابڑ توڑ حملے کیے ہیں:[۷۵]

یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا		دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے پاک
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال		[۷۶]
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ		مرد بے کار و زن تہی آغوش[۷۷]
من بجز حیرت نہ گیرم از فرنگ[۷۸]

مغربی تہذیب کو فتنۂ فرنگ کہا گیا ہے۔ اس فتنے کے اثرات زندگی کے تمام شعبوں پر مرتب ہوئے۔ علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کے حوالے سے اپنی شاعری میں سب سے زیادہ نظمیں اور اشعار لکھے ہیں:[۷۹]

فریاد زافرنگ و دل آویزی افرنگ		فریاد زشیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزیِ افرنگ		معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں،خواب گراں خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز[۸۰]

مغربی تہذیب نے ایسی سیاسیات کو جنم دیا ہے جس کا کوئی اصول و ضابطہ نہیں۔ اس سیاسی فکر کے تحت جو خود غرضی اور جوع الارض کی بیماری میں گرفتار تھی،استعماری ہتھ کنڈوں کے استعمال سے دیگر ممالک کو محکوم بنانے کا مکروہ کھیل کھیلا گیا۔ علامہ اقبال مغرب کی انھی سیاسی چالاکیوں، مکاریوں اور حیا سازیوں سے مسلمانوں کو بچانا

چاہتے ہیں۔ اقبال کی ساری شاعری فرنگی فتنہ کے خلاف احتجاج ہے۔ اقبال نے یہ احتجاج مدت العمر جاری رکھا۔ مغربی تہذیب نے روحانی زوال کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ کلیساؤں میں "عبادت" کے بعد مخلوط مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ جن میں شراب نوشی کے بعد رقص و سرود کی محفلیں برپا ہوتی ہیں اور نشے میں مست جوان جوڑے رات رات بھر وہ سب کچھ کرتے ہیں جو عام کلبوں میں ہوتا ہے۔ اہل مغرب کے بارے میں کسی دانش ور نے کہا کہ تم نے سمندر میں مچھلی کی طرح تیرنا اور ہوا میں پرندے کی طرح اڑنا سیکھ لیا ہے، مگر تمھیں زمین پر انسان بن کر رہنا نہیں آیا۔[۸۱]

مغربی تہذیب نے مادی ترقی تو کرلی ہے لیکن روحانی اور اخلاقی لحاظ سے اسے شدید نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اگرچہ اسے اس نقصان کا احساس نہیں، تاہم ان کا معاشرہ خیر کی ان قدروں سے محروم ہو گیا ہے جن سے شرف انسانی قائم تھا اور انسان کو معاشرے میں خیر و فلاح اور فلاح و بہبود حاصل تھی۔ مغرب نے زندگی کی حقیقت کو مادی ترقی میں تلاش کیا۔ علامہ اقبال نے اہل مغرب سے شکایت تھی کہ:

> اس نے ذہنی تربیت کے ساتھ دل کی تربیت کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ظاہر پر ایسی نظر جمی کہ باطن نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تہذیب فرنگی، مادی آسایشوں پر ایسی فریفتہ ہوئی کہ روحانی زندگی کے تقاضے پس پشت ڈال دیے۔[۸۲]

علامہ اقبال نے مغربی تمدن کے پہلوؤں کا جائزہ لیا اور مسلمانوں کو اپنی محکومی سے نجات کے لیے جس چیز کی ضرورت تھی، اور اس کی نشان دہی کے ساتھ ساتھ مغربی فکر و عمل کے تعاون کے ممکنات کا بھی جائزہ لیا[۸۳]، اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اقبال کلی طور پر مغربی تہذیب کے مخالف نہیں تھے۔ اسی نظریے کی وکالت کرنے والوں میں عزیز احمد، شیخ محمد اکرام اور خلیفہ عبدالحکیم پیش پیش تھے[۸۴] لیکن ان کی جانب دارانہ وکالت سے مغربی تہذیب و تمدن سے متعلق فکر اقبال کے تشخص کو دھندلایا نہیں جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ مغربی تمدن اپنی آخری شکل میں اخلاقی نہیں رہا بلکہ سراپا مادی ہے اور اس کا نصب العین صرف یہ ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی محدود کمیونٹی کو راحت سے کس طرح ہم آغوش کریں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یورپ کی وسیع ترین آبادی کا مسلک اخلاقی نہیں بلکہ مادی راحت ہے:[۸۵]

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام وائے تمنائے خام، وائے تمنائے خام[۸۶]

مصطفی کمال تاترک کی اصلاحات نے ترکی میں ان کے مخالف پیدا کر دیے۔ یہ مخالفت دین کی بنیاد پر تھی۔ اقبال نے بھی ترکوں کی اصلاحات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ انھوں نے لکھا کہ "آپ ہرگز ترکی عورتوں کو تعلیم کے لیے نمونہ نہ بنائیں نہ مصطفی کمال کی نام نہاد اصلاحات پر جائیں... مصطفی کمال نے جو کچھ اصلاحات کے سلسلے میں کیا ہے وہ ہرگز حکمت پر مبنی نہیں۔ عورت کو آزادی خود شریعت اسلامی نے دے رکھی ہے، مصطفی کمال کیا دیں

گے۔ ہاں مادر پدر آزادی کی شریعت نے کبھی اجازت نہیں دی نہ کوئی ہوش مند انسان کبھی اس کی خواہش کرے گا۔ بے جا آزادی سے ترکی میں یورپین قسم کا ناچ شروع ہوا، مصطفی کمال کو وہ ناچ حکماً بند کرنا پڑا۔''[87]

اقبال نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے دانایان مشرق سے کہا کہ مغرب سے صرف وہ امور اخذ کیے جائیں جو مشرقی مزاج، دین اسلام اور مسلمانوں کی روایات کے مطابق ہوں۔ یورپ کی اندھی تقلید سے مسلمان ممالک نہ ترقی کر سکیں گے نہ اپنی دینی روایات قائم رکھ سکیں گے۔ صدیوں سے مغرب نے اپنی سیاسی، سماجی اور معاشرتی زندگی ایسی بے لگام آزاد خیالی پر استوار کر رکھی ہے جس کے باعث ایک طرح سے انسانیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ زندگی محض عقل کی غلامی سے ہے۔ یہ عقل بھی اگر دل کے حکم میں ہوتی تو یزدانی تھی ورنہ بحالت موجودہ یہ سراسر شیطانی ہے جس کے باعث آدمیت کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔[88] اقبال نے مغرب کی انسان دشمن روش کے خلاف لکھا ہے:

آدمیت زار نالید از فرنگ   زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ
پس چہ باید کرد اے اقوام شرق   باز روشن می شود ایام شرق
در ضمیرش انقلاب آمد پدید   شب گزشت و آفتاب آمد پدید
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد   زیر گردوں رسم لادینی نہاد
گرگے اندر پوستین برہ   ہر زماں اندر کمین برہ
مشکلات حضرت انساں ازوست   آدمیت را غم پنہاں از وست
درنگاہش آدمی آب وگل است   کاروان زندگی بے منزل است[89]

علامہ اقبال نے ترکوں کی نسلی عصبیت کی مذمت کی۔[90] ترکی میں تجدد کی جو لہر اٹھی اس سے پورے عالم اسلام پر اثرات مرتب ہوئے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تقریباً تمام عالم اسلام میں مغربیت کا علم بردار ہو گیا۔ انھی کے ہاتھوں نظام حکومت میں تبدیلیاں ہوئیں۔ انھی کی جدوجہد سے اگرچہ مسلمان ممالک مغربی استعماری طاقتوں کے شکنجے سے آزاد ہوئے تاہم بیسویں صدی عیسوی میں مسلمان ممالک میں تجدید پسندی نے مغربیت کو خوب پھیلایا۔ علامہ اقبال نے ترکی کے متجددین کے متعلق فرمایا:

مصطفی کو از تجدد می سرود   گفت نقش کہنہ را باید زدود
نو نہ گردد کعبہ را رخت حیات   گرزافرنگ آیدش لات و منات
ترک را آہنگ نو درچنگ نیست   تازہ اش جز کہنہ افرنگ نیس

سینۂ او را دمے دیگر نہ بود　　در ضمیرش عالمے دیگر نہ بود[91]

علامہ اقبال نے تجدد پسندوں کی توجہ دلائی کہ مغربی ممالک کی ترقی فقط عریانی و فحاشی اختیار کرنے میں نہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مغربی ترقی کے اصل اسباب پر نظر رکھیں اور ان صفات کو اپنی زندگی میں رائج کریں جو مثبت طور پر مغربی ترقی کا باعث ہیں۔ مسلمانوں کو نہایت دانش مندی اور ہوش مندی سے مغربی ترقی کے مغز کو حاصل کرنا چاہیے:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب　　نے ز رقص دختران بے حجاب
نے زسحر ساحران لالہ روست　　نے زعریاں ساق و نے از قطع
محکمی اورانہ از لادینی است　　نے فروغش از خط لاطینی است
قوت افرنگ از علم و فن است　　از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و برید جامہ نیست　　مانع علم و ہنر عمامہ نیست
علم و فن را اے جوان شوخ و شنگ　　مغزمی باید نہ ملبوس فرنگ
اندریں رہ جزنگہ مطلوب نیست　　ایں کلہ یا آں کلہ مطلوب نیست
فکر چالاکے اگرداری بس است　　طبع دراکے اگر داری بس است[92]

ترکی میں تجدیدی کاوشیں اس قدر حیران کن، تباہ کن اور دین اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ دینے والی تھیں کہ وہ تمام مسلمان ممالک جہاں جہاں مغربی تہذیبی سرگرمیاں جاری تھیں، ترکی کے ان اقدامات کو دیکھ کر لرز اٹھے۔ تجدد پسندوں کی طرف سے ترکی میں قرآن مجید کو ترکی زبان میں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ مغربی لباس پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ رسم الخط لاطینی اختیار کر لیا گیا۔[93] ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگا دی گئی، علما کے لیے حکومت سے لائسنس حاصل کرنا لازمی قرار دے دیا گیا۔ وراثت کے مسائل کے لیے سوئٹزرلینڈ کے قواعد اختیار کرنے کا حکم نافذ ہوا۔ مذہب اور سیاست کو الگ کر دیا گیا۔ ترکی میں اتحاد اسلامی کی تحریک قومی وطنیت سے بھی آگے بڑھ گئی اور ترکی کے علاوہ کوئی اور زبان بولنے والے ایشیائی علاقوں سے مغائرت شروع ہو گئی۔ مصطفی کمال اتاترک نے اپنے جمہوری ملک ترکی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے مغربی تہذیب کو اختیار کر لیا۔[94] ترکی کو ایک جمہوری ملک قرار دے کر آئین سے وہ شق ختم کر دی گئی جس کی رو سے ترکی کا مذہب اسلام قرار دیا گیا تھا، مذہبی تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی۔ خلافت ختم کر دی گئی۔ شیخ الاسلام کا عہدہ بھی منسوخ کر دیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں صوفیا کی خانقاہوں کو بند کر دیا گیا۔ رومی ٹوپی کا استعمال ممنوع ہوا۔ عربی رسم الخط کو حکماً ترک کر دیا گیا۔ اذان، نماز اور دعا وغیرہ ترکی زبان میں پڑھنے کا

فیصلہ ہوا۔[95] علامہ اقبال نے سوئٹزرلینڈ کے قانون وراثت کو اختیار کرنے کے فیصلے کو سنگین غلطی قرار دیا۔[96] سب سے زیادہ افسوس ناک صورت اس وقت پیدا ہوئی جب علما کا ایک وفد دینی شعائر کے قیام کے لیے بات چیت کی خاطر اتاترک سے ملنے گیا۔ دوران گفتگو میں جب اتاترک کو قرآن مجید پیش کیا گیا، اس نے قرآن شیخ الاسلام کے منہ پر دے مارا۔[97] اتاترک نے مغربی تہذیب و ثقافت اور مغربی سیاست و معاشرت ہی کو اپنی منزل مقصود قرار دے لیا تھا۔

ترکی کے اس انقلابی اقدام اور ۳ مارچ ۱۹۲۴ء کے اعلان سے اگرچہ خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن شعائر اسلام کے خاتمے نے علمائے اسلام کو بے قرار کر دیا۔ جنگ عظیم اول کے اختتام پر معاہدہ سیورے کے تحت عثمانی سلطنت ختم کر دی گئی۔ ترکی کے مقبوضات (سوائے روس اور امریکا کے) اتحادیوں نے آپس میں تقسیم کر لیے۔ ترکی کے خاتمے کی تدبیریں کامیاب نہ ہوئیں تاہم ترکی کے متعدد علاقے چھین لیے گئے۔ یہ سب کچھ ترکی کی حکومت عثمانیہ مجبوراً خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پارلیمنٹ کو برخاست کر دیا گیا اور حکومت عثمانیہ نے ۱۹۲۰ء میں معاہدہ سیورے (Treaty of Sevres) پر دستخط کر دیے۔[98] علامہ اقبال نے ترکی میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر افسوس کا اظہار نہیں کیا انھوں نے کہا:

اگر عثمانیوں پر کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے		کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا[99]

اقبال کے نزدیک مسلمان ممالک میں مجالس قانون ساز خلافت کا وظیفہ سر انجام دے سکتی ہیں۔

مغربی تہذیب نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو نظر انداز کر کے جس سماجی، معاشرتی اور سیاسی مصائب کو دعوت دی اب وہ اس کے گلے کا ہار بن چکے ہیں۔ اظہار خیال کی آزادی نے وہ وہ گل کھلائے کہ شرم و حیا کا جنازہ نکل گیا۔ نئے نئے ملحدانہ خیالات نے سوسائٹی کو یقین کی نعمت سے محروم کر دیا۔ ظاہری چکا چوند نے مغربی اہل فکر کو اس وہم میں مبتلا کر دیا کہ غایت حیات انھیں حاصل ہو چکی ہے، جب کہ یہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری تھی جو سراب ثابت ہوئی۔ اقبال نے مغربی تہذیب کی رنگینیوں اور چمک دمک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے		حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں، رونق میں، صفا میں		گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی
ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جوا ہے		سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت		پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

بے کاری و عریانی مے خواری و افلاس　　　کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم　　　حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی　　　احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرشام　　　یا غازہ ہے یا ساغر ومینا کی کرامات[100]

مغربی مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ تہذیب کے ہر گوشہ کرب ناک کو اقبال نے خود محسوس کیا، اس کی ہول ناکیوں اور ستم رانیوں سے بنی نوع انسان کو بچانے کی کوشش کی۔ خصوصاً مسلمانوں کی جواں سال نسل کو ہر موقعے پر تنبیہ کی کہ وہ مغرب کی تقلید سے پرہیز کریں:

اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک　　　ہے جس کے تصور میں فقط بزم شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید　　　مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ[101]

یورپی طاقتوں کی باہمی خانہ جنگیوں کے نتیجے میں فرنگی استعمار ضعف کی ایسی حالت کو پہنچ گیا ہے جسے اقبال نطشے کی زبان میں پکا ہوا پھل قرار دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس پکے ہوئے پھل کے درخت سے نیچے گرنے کی بھی پیش گوئی کرتے ہیں:

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود　　　جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زور پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکّے ہوئے پھل کی　　　دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ[102]

یورپین ممالک اپنی ناہموار سماجی اور معاشرتی زندگی کے باعث ایک داخلی اضطراب میں مبتلا ہیں۔ انھیں مغربی معاشرت اور تہذیب کی یک طرفہ مادی ترقی کے پیدا کردہ مسائل کا سامنا ہے۔ مادی سہولتوں کی فراوانی، عیش وعشرت کی آزادی اور نقل و حمل میں آسانیوں کے باوصف انھیں روحانی خلا محسوس ہوتا ہے۔ جس سے اہل یورپ ناآسودگی محسوس کرتے ہیں۔ اس صورت حال کو علامہ اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ...یورپ کے مختلف ممالک میں پھرنے اور موجودہ زمانے کی اخلاقی ابتری دیکھنے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو بحیثیت دین قبولیت پانے کا یہ بہترین وقت ہے۔ آج لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں یورپ کے مرد اور عورتیں اسلام اور اس کے کلچر کی تعلیمات کے خواہاں ہیں۔[103]

علامہ اقبال نے یورپی تہذیب کی کھوکھلی بنیادوں کی نشان دہی کے ساتھ اس کے منہدم ہونے کی پیش گوئی بھی کی۔ یورپ کی تمام تر ظاہری ترقی کے باوجود یورپ کے زوال پذیر ہونے کے متعلق یورپی اہل قلم نے بھی مضامین اور کتب تحریر کیں، اقبال کہتے ہیں:

یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت　　　دل سینۂ بے نور ہیں محروم تسلی

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے یہ وادی ایمن نہیں شایان تجلی
ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ شاید ہوں کلیسا کے یہودی متولی[104]

جو مسلمان ممالک مغربی تہذیب سے مسحور ہو کر تہذیب مغرب کے رنگ میں رنگے گئے وہاں ان خرابیوں نے بھی نفوذ کیا جو مغرب کا طرۂ امتیاز تھیں۔ بعض ممالک نے تجدیدی کوششیں اور اجتہاد کے نام سے جو اقدامات کیے ان میں اکثر فیصلے فکر مغرب کے زیر اثر کیے گئے۔ اقبال کو آغاز میں ان انقلابی قائدین سے بہتری کی توقعات تھیں لیکن یہ اصلاحات کھل کر سامنے آئیں تو اقبال کو بہت مایوسی ہوئی۔ پہلے شام کے متعلق اقبال کا رد عمل ملاحظہ فرمایئے:

صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے مے و قمار و ہجوم زنان بازاری[105]

مصطفی کمال اتاترک نے ترکی میں جو تجدیدی کوششیں اور اصلاحات کیں وہ صریحاً "خلاف اسلام" تھیں اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سب کچھ مغربی فکر کے تحت ہو رہا ہے۔ روس نے باقاعدہ ترکی کے انقلابی قائدین کی حمایت کی۔ ترکی مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز و محور تھا۔ ہندستان نے ترکی میں خلافت کے تحفظ میں تحریک چلائی۔ ترکی کے تحفظ اور اس کے مقدس مقامات کی حفاظت کے لیے مسلمانوں نے تحریک چلائی۔ مسلمان قائدین نے جیلیں کاٹیں اور مسلمانوں کے اخبار بند کر دیے گئے۔[106] جب مصطفی کمال اتاترک نے ترکی سے منصب خلافت کے خاتمے کا اعلان کیا تو عالم اسلام میں اسے ایک بہت بڑا حادثہ قرار دیا گیا۔ ترکی اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی واحد آزاد سلطنت تھی اور خلافت کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ امید قائم تھی کہ اس کے ذریعے کسی وقت مسلمانان عالم کے لیے مرکزیت کی ایک صورت پیدا ہو جائے گی۔[107] علامہ اقبال نے مسلمانوں کے انگلستان بھیجے گئے وفد کے ایک رکن سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا خلافت کی کرنے لگا تو گدائی[108]

مغربی سیاسی شاطروں نے حکم رانی کے طریق جمہوریت کو بظاہر بنی نوع انسان کے سارے مسائل کا حل بتایا ہے لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ بھی سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی شعبدہ بازیوں کا ایک کرشمہ ہے۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر[109]

یہ جمہوری طریق حکومت بھی دراصل اس آزادی افکار کا حصہ ہے جسے انسانی حقوق کے طور پر مان لیا گیا ہے۔ اسی آزادی اظہار نے مغربی سوسائٹی میں ایک روش اختیار کر لی کہ جائز و ناجائز، اچھائی برائی، فقط عوام کی پسند و ناپسند کی مرہون منت ہو کر رہ گئی ہے۔ کوئی ضابطہ، کوئی قانون خواہ وہ اخلاقیات کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو، اگر عوام کی

اکثریت اسے پسند کرتی ہے تو مجلس قانون ساز میں اسے قانون کی شکل دے دی جاتی ہے۔ اقبال نے اسی طرز فکر کی بنا پر جمہوری طرز حکومت کے متعلق فرمایا:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں　بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے"[۱۰]

مغربی تہذیب نے اگرچہ علوم و فنون میں ترقی کی ہے۔ اسے سائنسی علوم میں ترقی کے باعث صنعت و حرفت، ایجادات اور دریافتوں میں برتری حاصل ہے لیکن اس ترقی نے مغربی انسان کو درندوں کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ انھی سائنسی ایجادات کی بدولت مغرب کے حکمرانوں نے اپنے مخاصمانہ عزائم کی تکمیل انسانیت کو زیر وزبر کر دینے کی صورت میں حاصل کی:

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح وبدن پیش　　　تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مؤمن پہ بھروسا　　　ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا "[۱۱]

علامہ اقبال کو مغربی تہذیب و ثقافت میں متعدد خامیاں نظر آئی ہیں۔ انھیں مغرب کی نسلی برتری سے سخت اختلاف ہے۔ اسی نسلی برتری کے نظریے نے اہل مغرب کو مختلف حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ تقسیم کسی ایک ملک ہی میں نہیں پورا مغرب بلکہ اب تو پوری دنیا اس کی لپیٹ میں آچکی ہے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو مغرب کی اس نسل پرستی سے دور رہنے کی تلقین کی ہے

جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا　　　ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی　　　اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک راہ گزر"[۱۲]

سفید فام ہونے کا مطلب اہل مغرب یہ لیتے ہیں کہ وہ رنگ دار نسلوں سے پیدائشی طور پر برتر اور فاضل تر ہیں۔ اسی غلط نظریے سے وہ غلط نتیجہ نکال کر دوسری اقوام پر تسلط حاصل کرنے پر کاربند ہیں۔ انھوں نے نسلی تفوق کے احساس کے تحت یہ فیصلہ کر لیا کہ انھیں رنگ دار نسلوں کو غلام بنانے کا اور ان پر حکم رانی کرنے کا پیدائشی جواز حاصل ہے۔"[۱۳]

مغرب نے اپنے مادی افکار کو برتر اہمیت دے رکھی ہے۔ مغرب پر اپنی تہذیب، رنگ و نسل، وطنی قومیت اور سیاسی تفوق کا احساس اس قدر غالب ہے کہ مغرب کا ہر ملک اسی نشے میں سرمست ہے۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب،　　　خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے

مغربی تہذیبی مقاصد کے ساتھ ساتھ مشرق کے تہذیبی زوال پر اقبال کی نظر تھی۔ مشرق و مغرب میں قیادت کا فقدان، فکری ژولیدگی اور عملی کوتاہی ہر جگہ موجود ہے۔ اقبال اسی بحرانی کیفیت کے متعلق لکھتے ہیں۔

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مے خانے　　　　یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا"[۱۵]

علامہ اقبال نے شرق و غرب میں اس ہمہ جہت اخلاقی زوال پر گرفت کی لیکن مغربی تہذیب اس زوال میں بہت پستی تک پہنچ چکی تھی۔ مشرق میں زوال کی سب سے بڑی علامت تو غلامی و محکومی کی حالت تھی، اقبال نے اس کے تدارک کی کوششیں بھی کیں تاہم اقبال کے سامنے پوری دنیائے انسانیت تھی، ان کی تنقید عصر حاضر کے عام تہذیبی رجحانات پر تھی خواہ وہ زمین کے کسی خطے میں رونما ہوں۔"[۱۶]

نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری　　　　جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری"[۱۷]

علامہ اقبال نے مشرق و مغرب میں بنی نوع انسان کی عظمت و وقار کے خلاف جن سرگرمیوں کا مطالعہ کیا ان میں انھیں کہیں عریانی و فحاشی نظر آتی ہے اور کہیں ظلم و ستم کی کارگزاریاں ہیں اور کہیں حق تلفی اور عدل وانصاف کی خلاف ورزیاں ہیں۔ مغرب کے جمہوری نظام اور مشرق میں تقلیدی روش کے خلاف بھی اقبال نے آواز بلند کی ہے۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید　　　　وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری"[۱۸]

مشرق و مغرب کا موازنہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے ایک اور مقام پر کہا ہے:

ضمیر مغرب ہے تاجرانہ، ضمیر مشرق ہے راہبانہ　　　　وہاں دگرگوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ"[۱۹]

حوالہ جات:

۱۔ عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص۱۷
۲۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکر اقبال، ص۲۰۱
۳۔ محمد افضل مجید، افکار اقبال اہم گوشے، ص۱۰
۴۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، عروج اقبال، ص۳۵۹
۵۔ محمد رفیق افضل (مرتب)، گفتار اقبال، ص۲۱۱
۶۔ عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، سرگزشت اقبال، ص۵۲۸
۷۔ سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، ص۱۱۲
۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، ص۵۰۴
۹۔ سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، ص۱۱۲
۱۰۔ بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، ص۴۲
۱۱۔ رفیق افضل، گفتار اقبال، ص۱۷۰۔۱۷۳
۱۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (اردو)، ص۳۹۹۔۴۰۰
۱۳۔ ایضاً، ص۱۹۴

۱۴۔ غلام رسول، مہر، اقبالیات، ص۶۴
۱۵۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال، اردو،ص۲۶۶
۱۶۔ ایضاً،ص۳۵۲
۱۷۔ ایضاً، ص۳۹۲۔۳۹۳
۱۸۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ص۳۲
۱۹۔ عبدالحمید صدیقی (مترجم)،لارڈ میکالے کا نظام تعلیم،ص۵۳
۲۰۔ ایضاً،ص۷۷
۲۱۔ سلطان محمود حسین، سید، ڈاکٹر،اقبال کی ابتدائی زندگی،ص۷۰
۲۲۔ محمد سلیم، سید،پروفیسر، مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ ص۱۶
۲۳۔ محمد اقبال، ڈاکٹر،کلیات اقبال، (اردو)،ص۲۶۱
۲۴۔ ایضاً،ص۲۷۴
۲۵۔ نذیر نیازی، سید،مکتوبات اقبال، ص،۱۰۱
۲۶۔ ابو الحسن علی ندوی،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر،ص۳۱۸
۲۷۔ این میری شمل،ڈاکٹر، پروفیسر، شہپرجبریل، ص۳۸۸۔۳۸۹
۲۸۔ عطاء اللہ، شیخ،(مرتب)،اقبال نامہ،ص۳۹۸
۲۹۔ نذیر نیازی،سید، ص۲۰۲
۳۰۔ عطاء اللہ، شیخ، ص۱۳۹
۳۱۔ اصغر عباسی، پروفیسر،سرسید اقبال اور علی گڑھ، ص۵۰
۳۲۔ محمد اکرم،سید، ڈاکٹر، دائرہ معارف اقبال،ص،۲۲۹
۳۳۔ جگن ناتھ آزاد، اقبال اور مغربی مفکرین،ص۳۴
۳۴۔ محمد عبداللہ،سید،ڈاکٹر، اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی خصوصیت، ص۱۰
۳۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، ص۹۶
۳۶۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی)، ص۳۱۵
۳۷۔ ممتاز حسن، مقالات ممتاز، ص۳۹۱
۳۸۔ ممتاز حسن، اقبال کی شاعری پر قیام یورپ کااثر، مشمولہ:'نیرنگ خیال'، اقبال نمبر، ص۱۸۳
۳۹۔ اختر راہی، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، ص۲۱۵
۴۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال، (اردو)،ص۱۴۱
۴۱۔ ایضاً، ص۳۶۱
۴۲۔ ایضاً، ص۵۳۳
۴۳۔ ایضاً
۴۴۔ کلیات اقبال (فارسی)،ص۱۸۲
۴۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۵۳۱
۴۶۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر، تنویر اقبال،ص۲۹۔۳۰
۴۷۔ آرتھر ایف،جے، رے می،ریاض الحسن (مترجم)،ایران و ہندستان کااثر جرمنی کی شاعری پر، ص۶۰
۴۸۔ لطیف احمد خاں شروانی (مرتب)،حرف اقبال، ص۲۱۷۔۲۱۹

۴۹۔ ابوالاعلیٰ مودودی،سید،شہادت حق، ص۲۲
۵۰۔ جاوید اقبال، جسٹس (ر)،زندہ رود،ج۳،بحوالہ پاکستان ٹائمز،لاہور، ۷ مئی ۱۹۶۷ء، ص۳۸۹
۵۱۔ محمد احمد خاں، اقبال کا کارنامہ، ص۸۱۷
۵۲۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۲۴۸
۵۳۔ ممتاز حسن، ڈاکٹر،مقالات ممتاز، ص۴۲۹
۵۴۔ ایضاً
۵۵۔ B.A Dar, Letters & Writing of Iqbal, P.58
۵۶۔ لطیف احمد خاں شیروانی،حرف اقبال،ص،۲۴۹
۵۷۔ رفیق افضل، گفتار اقبال، ص،۱۶۸۔۱۶۹
۵۸۔ حسین احمد مدنی، مولانا،متحدہ قومیت اور اسلام، ص۳
۵۹۔ عبدالواحد، سید، مقالات اقبال، ص،۲۶۶
۶۰۔ غلام قادر، فرخ منشی، سفینۂ حیات بحوالہ ذکر اقبال،سالک، ص،۹۳
۶۱۔ محمد حنیف شاہد، مفکر پاکستان،ص۲۳۶
۶۲۔ نوائے وقت، لاہور، ۹ نومبر ۱۹۷۵ء،ص۲۳۶
۶۳۔ ایضاً، ص۲۳۶
۶۴۔ افتخار احمد صدیقی،ڈاکٹر،ص۸۳
۶۵۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)، ص۱۶۰
۶۶۔ ایضاً
۶۷۔ ایضاً، (فارسی)،ص۹۷۹
۶۸۔ فضل الٰہی عارف، افکار اقبال، ص۱۶۷
۶۹۔ محمد ریاض پروفیسر،ڈاکٹر،افکار اقبال،ص۴۱
۷۰۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے،ص۱۱۷
۷۱۔ سید عبداللہ،ڈاکٹر،مسائل اقبال مغربی پاکستان، ص۲۳۸
۷۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۳۲۵
۷۳۔ ایضاً،ص۳۵۶
۷۴۔ ایضاً،ص۳۳۵
۷۵۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر،فروغ اقبال، ص۴۵۹
۷۶۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۳۵۹
۷۷۔ ایضاً،ص۵۵۵
۷۸۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی)،ص۶۶۰
۷۹۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، مقاصد اقبال،ص۱۳
۸۰۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (فارسی)،ص۴۷۵
۸۱۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، فروغ اقبال، ص۴۵۸
۸۲۔ یوسف حسن خاں، ڈاکٹر، روح اقبال،ص۱۸۷
۸۳۔ عزیز احمد،اقبال نئی تشکیل،ص۴۱۲

۸۴۔ محمد اکرام شیخ، موج کوثر،ص۳۳۶۔۳۳۸
۸۵۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر،طیف اقبال (مرتبہ منگوری)،ص۱۳۱
۸۶۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۳۵۴
۸۷۔ عبدالواحد معینی، سید،(مرتب)،مقالات اقبال،ص۳۲۶
۸۸۔ عبدالرحمن طارق، بی اے، جہان اقبال،ص۲۳
۸۹۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال،(فارسی)، ص۸۳۹
۹۰۔ شیخ عطاء اللہ (مرتب)،اقبال نامہ، ج۲،ص۲۴۰
۹۱۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال،(فارسی)،ص۶۵۴
۹۲۔ ایضاً،ص۶۶۷
۹۳۔ لطیف احمد خاں شروانی، حرف اقبال، ص۱۳۹۔۱۴۰
۹۴۔ معین الدین عقیل، اقبال اور جدید دنیائے اسلام،ص۲۲۶
۹۵۔ ایضاً
۹۶۔ لطیف احمد خاں شروانی، حرف اقبال، ص۱۴۱
۹۷۔ ابوالحسن علی ندوی، سید، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش،ص۷۷
۹۸۔ معین الدین عقیل،ڈاکٹر، اقبال اور جدید دنیائے اسلام،ص۲۲۲
۹۹۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۲۶۸
۱۰۰۔ ایضاً،ص۴۰۰
۱۰۱۔ ایضاً،ص۶۳۰
۱۰۲۔ ایضاً،ص۴۵۹
۱۰۳۔ لطیف احمد خان شروانی، حرف اقبال، ص۱۸۲
۱۰۴۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۶۰۱۔۶۰۲
۱۰۵۔ ایضاً، ص۶۱۱
۱۰۶۔ غلام مصطفی خان، ڈاکٹر، معارف اقبال،ص۱۱۲
۱۰۷۔ معین الدین عقیل،ڈاکٹر، اقبال اور جدیددنیائے اسلام،ص۲۲۱
۱۰۸۔ مظفر حسین برنی،سید،کلیات مکاتیب اقبال، دوم،ص۱۳۱
۱۰۹۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۶۴۹
۱۱۰۔ ایضاً،ص۶۱۱
۱۱۱۔ ایضاً،ص۶۵۸
۱۱۲۔ ایضاً،ص۲۶۵
۱۱۳۔ محمد سلیم سید، پروفیسر،مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں؟ص۱۶
۱۱۴۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۲۶۲
۱۱۵۔ ایضاً،ص۳۱۵
۱۱۶۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر، تہذیبوں کاتقابلی مطالعہ، ص۷
۱۱۷۔ محمد اقبال،ڈاکٹر، کلیات اقبال (اردو)،ص۶۲۲
۱۱۸۔ ایضاً،ص۶۸۶

۱۱۹۔ ایضاً، ص۶۸۶

فہرست اسناد محولہ:

آرتھر ایف، جے رے می (ریاض الحسن، مترجم)، ۱۹۷۳ء، ایران، ہندستان، کا اثر جرمنی کی شاعری پر، پاک جرمن فورم، سرور شہید روڈ، کراچی

ابوالاعلیٰ، مودودیؒ، سید، شہادت حق، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۹ء

ابوالحسن علی ندوی، سید، ۱۹۶۷ء، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی

_____، ۱۹۷۳ء، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی

اختر راہی (مرتب)، مارچ ۱۹۷۸ء، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور

اصغر عباس، پروفیسر، ۱۹۸۷ء، سرسید، اقبال اور علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ

افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، بار سوم، ۲۰۱۶ء، شذرات فکر اقبال، مجلس ترقی ادب، لاہور

_____، ۱۹۸۷ء، عروج اقبال، بزم اقبال، کلب روڈ لاہور

_____، ۱۹۹۶ء، فروغ اقبال، اقبال اکادمی، ایوان اقبال، لاہور

این میری شمل، ڈاکٹر، پروفیسر (مترجم، ڈاکٹر محمد ریاض)، ۱۹۸۷ء، شہپر جبریل، گلوب پبلشرز اردوبازار لاہور

ایوب صابر، ڈاکٹر، پروفیسر، ۲۰۰۷ء، اقبال کی فکری تشکیل، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

بشیر احمد ڈار (مرتب)، انوار اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، بار دوم، ۱۹۷۷ء

جاوید اقبال، جسٹس (ر)، ڈاکٹر، ۱۹۸۷ء، زندہ رود، جلد سوم، (بحوالہ 'پاکستان ٹائمز'، لاہور، ۷ مئی ۱۹۶۷ء)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور

جگن ناتھ آزاد، س۔ن، اقبال اور مغربی مفکرین، مکتبہ عالیہ اردوبازار، لاہور

حسین احمد مدنی، مولانا، ۱۹۳۸ء، متحدہ قومیت اور اسلام، کتب خانہ عزیز یہ اردو بازار، جامع مسجد دہلی

سلطان محمود، سید، ڈاکٹر، ۱۹۸۶ء، اقبال کی ابتدائی زندگی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

سمیع اللہ قریشی، ۱۹۸۳ء، افکار اقبال، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

عبدالحکیم، خلیفہ، ۱۹۸۸ء، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور

عبدالحمید صدیقی، ۱۹۷۶ء، انسانیت کی تعمیرنو اور اسلام، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، شیش محل روڈ لاہور

_____، ۱۹۷۹ء، (مترجم)، لارڈ میکالے کا نظام تعلیم، احباب پبلی کیشنز، ریٹی گن روڈ لاہور

عبدالرحمن طارق، ۱۹۶۵ء، بار چہارم، بی اے، جہان اقبال، ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل، ہل روڈ لاہور

عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، س۔ن، سرگزشت اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور

عبداللہ، سید، ڈاکٹر، ۱۹۸۱ء، اقبال کی تنقید مغرب اور اس کی معنویت، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور

_____، ۱۹۷۶ء، (مرتب)، منگلوری، طیف اقبال، لاہور اکیڈمی، لاہور

_____، بار اول، ۱۹۷۴ء، مسائل اقبال، مغربی پاکستان، اردو اکیڈمی، لاہور

_____، ۱۹۸۱ء، مقاصد اقبال، علمی کتب خانہ، اردوبازار، لاہور

عبدالمغنی، ڈاکٹر، ۱۹۹۰ء، تنویر اقبال، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردوبازار، لاہور

_____، ۲۰۰۱ء، تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، بھارت

عبدالواحد، معینی، سید، بار دوم، ۱۹۸۸ء، مقالات اقبال، آئینہ ادب، چوک مینار، وقار بھٹی، لاہور

عزیز احمد، ۱۹۶۸ء، اقبال نئی تشکیل، گلوب پبلشرز، لاہور

عطاء اللہ شیخ، (مرتب)، طبع اول، ۱۹۴۴ء، مکاتیب اقبال (حصہ اول)، شیخ محمد اشرف، تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور

_____ ، س۔ن، اقبال نامہ، مکاتیب اقبال (جلد دوم)، شیخ محمد اشرف، تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور

غلام رسول مہر، ۱۹۸۸ء، (امجد سلیم علوی، مرتب)، اقبالیات، مہر سنز، اسلام سٹریٹ مسلم ٹاؤن، لاہور

غلام قادر فرخ، منشی، س۔ن، سفینۂ حیات، (بحوالہ ذکر اقبال، سالک، ص۹۳)، امر تسر، بھارت

غلام مصطفی خان ڈاکٹر، ۱۹۷۸ء، معارف اقبال، پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد، کراچی

فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، باراول، ۱۹۷۸ء، اقبال سب کے لیے، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی

فضل الٰہی عارف، بار اول، ۱۹۷۷ء، متاع اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور

لطیف احمد خاں شروانی، ۱۹۸۴ء، حرف اقبال، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد

محمد احمد خاں، بار اول، ۱۹۷۷ء، اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان، گلبرگ ۳، لاہور

محمد آصف اعوان، باراول، اپریل ۲۰۱۶ء، ڈاکٹر، اقبال اور فکر مغرب، پورب اکادمی، اسلام آباد

محمد افضل حمید، لاہور، ۲۰۰۲ء، افکار اقبال (اہم گوشے)، حق پبلی کیشنز، سید پلازہ، چیٹر جی روڈ، اردو بازار

محمد اقبال، ڈاکٹر، ۱۹۷۳ء، کلیات اقبال (اردو)، شیخ غلام علی اینڈ پبلشرز، لاہور

_____ ، ۱۹۷۳ء، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور

محمد اکرم اکرام، سید، ڈاکٹر، ۲۰۰۶ء، دائرہ معارف اقبال، شعبہ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی (اورینٹل کالج)، لاہور

محمد اکرام، شیخ، بار دہم، ۱۹۸۲ء، موج کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور

محمد حنیف شاہد، بار اول، ۱۹۸۲ء، مفکر پاکستان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

محمد رفیق افضل (مرتب)، جنوری ۱۹۶۹ء، گفتار اقبال، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور

محمد ریاض، پروفیسر، ۱۹۹۰ء، ڈاکٹر، افکار اقبال، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور

محمد سلیم سید، پروفیسر، ۱۹۹۱ء، مغربی تعلیم کی مخالفت کیوں، ادارہ تعلیم و تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان، لاہور

مظفر حسین برنی، سید، ۱۹۹۱ء، کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، اردو اکادمی، دہلی

_____ ، س۔ن، کلیات مکاتیب اقبال (جلد چہارم)، ارد و اکادمی، دہلی

معین الدین عقیل ڈاکٹر، ۱۹۸۶ء، اقبال اور جدید دنیائے اسلام، مکتبہ تعمیر انسانیت، اردو بازار، لاہور

ممتاز حسن، ڈاکٹر، ۱۹۷۷ء، اقبال کی شاعری پر قیام یورپ کا اثر، مطبوعہ 'نیرنگ خیال'، اقبال نمبر، مکرر اشاعت، 'نقوش'، لاہور

ممتاز حسن، ڈاکٹر، ۱۹۹۵ء، مقالات ممتاز، ادارہ یاد گار غالب، ناظم آباد، کراچی

نذیر نیازی سید، ۱۹۵۷ء، مکتوبات اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، کراچی

یوسف حسین خاں، ڈاکٹر، ۲۰۱۶ء، روح اقبال، مکتبہ تعمیر انسانیت، اُردو بازار، لاہور

روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۹ نومبر ۱۹۷۵ء

Abstract

This article discusses Allama Iqbal's critical viewpoint about the western ideology against the Islamic Ummah and the humanity. Their understanding towards the scientific theories led them to atheism and sheer capitalism. Enmity among human being, selfishness, egoism and materialism are common features their cultures. Their secular life style has added nothing but their low mentality in life. Both the world wars were the result of such mindset. Hundreds of the people were brutally killed and starved to death. Iqbal gave his message to the youth to get stronger to face the challenges of the world as there are still many works in the various field of knowledge undiscovered which need to be discovered. The European scholars thought some of the scholarly discussion new and fresh in the nineteenth century which the Arabic scholars had already discussed centuries back. The basics of Ian Einstein's theory were already discussed by the Islamic scholars in the past.

Keyword: Allama Iqbal's critical viewpoint, Western cultures, atheism, capitalism